رجسٹرڈ نمبر ایل ۹۲۲

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ کا پندرہ روزہ اخبار

قیمت فی پرچہ دو آنے — سالانہ چندہ دو روپیے

جلد ۱۲	۱۵ فروری ۱۹۵۴ء	{مدیر: قاضی عبدالغفار}	۱۰ جمادی الثانی ۱۳۷۳ھ	نمبر ۲۸

صدر جمہوریہ کی خدمت میں انجمن کا معروضہ

جو ۱۵ فروری کو انجمن کے وفد نے صدر جمہوریہ کی خدمت میں پیش کیا

عالی جناب صدر جمہوریہ ہندوستان، نئی دہلی !!

جناب والا

آل انڈیا انجمن ترقی اردو اور اتر پردیش کی اردو بولنے والی آبادی کی جانب سے ہم ممبران وفد نہایت ادب سے جناب والا کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔

سب سے پہلے ہم جناب والا سے التجا کرتے ہیں کہ ہمیں بعض امور کی تصریح کرنے کی اجازت عطا فرمائیں جو حال ہی میں ہمارے وفد کے مقصد کے متعلق زیر بحث آئے ہیں اور جن سے بعض حلقوں میں کسی قدر غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے۔ ہمارے ملک کے دستور کے فقرہ ۳۴۳ کی رو سے قرار پایا ہے کہ "یونین کی سرکاری زبان دیوناگری رسم الخط میں ہندی ہوگی"۔

آل انڈیا انجمن ترقی اردو اور وہ سب لوگ جن کی ہم نمائندگی کرتے ہیں اپنی دستور ساز اسمبلی کے اس فیصلے پر سر تسلیم خم کرتے ہیں اور دیوناگری رسم الخط میں ہندی پڑھنا اور فقرہ ۳۵۱ میں جو طریقہ بتایا گیا ہے اس طرح ہندی زبان کی ترقی اور ترویج میں مدد کرنا اپنا اور ہندوستان کے ہر شہری کا فرض سمجھتے ہیں۔

سنہ ۱۹۵۱ء میں اتر پردیش کی قانون ساز جماعتوں نے دستور کے فقرہ ۳۴۵ کے تحت قانون بنا کر دیوناگری رسم الخط میں ہندی زبان کو ریاست کی تمام سرکاری اغراض میں استعمال کرنے کے لئے اختیار کر لیا لیکن اس فیصلہ میں جو فی نفسہ بے ضرر تھا اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا گیا کہ اسی علاقے میں اردو زبان اور اس کا رسم الخط بھی رائج ہے۔ ہم قانون ساز جماعتوں کے فیصلہ کو فرض شناسی کے ساتھ تسلیم کرتے ہیں لیکن اسی کے ساتھ ہم محسوس کرتے ہیں کہ موجودہ حالات میں اردو کے متعلق اس فیصلے میں فقرہ ۳۴۷ کے تحت صدر کے ہدایت نامہ کے ذریعے سے اضافہ کرنے کی ضرورت ہے اسی غرض سے ہم نے جناب والا سے رجوع کرنے کی جرأت کی ہے۔

ایک ایسے بلند مقام صاحب علم و فضل کے روبرو جیسے کہ جناب ہیں ہم اس بحث کو نہیں چھیڑنا چاہتے کہ آیا ہندی اور اردو دو مختلف زبانیں ہیں یا ایک ہی بنیادی زبان کے دو ادبی اسلوب ہیں۔ ہمارے مقصد کے لئے یہی کافی ہے کہ موجودہ حالات کے متعلق واقعیت پسند اور حقیقی نقطہ نظر اختیار کر کے دستور کی آٹھویں فہرست میں ہندی اور اردو دونوں کو ہندوستانی زبانوں میں شمار کیا گیا ہے۔ ہماری گزارش یہ ہے کہ اردو زبان جس نے صدیوں کے دوران میں ایک ایسا اسلوب اور ادب پیدا کر لیا ہے جس پر کوئی بھی قوم فخر کر سکتی ہے۔ آج اتر پردیش میں تمام مذہبوں

ہندوؤں کے لوگوں کی ایک بڑی تعداد کی بھی ہے، جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ان کی مادری اور ادبی زبان ہے۔ یہ سب لوگ باوجودیکہ دیوناگری رسم الخط میں ہندی زبان کو سیکھنا، پڑھنا اور لکھنا ضروری سمجھتے ہیں، پھر بھی اردو کو اسی کے رسم الخط میں لکھتے پڑھتے ہیں اور نہایت معقول وجوہ کی بنا پر چاہتے ہیں کہ یہ قومی دولت محفوظ رہے۔ اس سلسلے میں ہم حکومت ہند کے رزولیوشن مورخہ ۱۰ر اگست ۱۹۴۹ء کی طرف جناب والا کی توجہ مبذول کرانے کی اجازت چاہتے ہیں جس میں بنیادی مدارس میں تعلیم کے متعلق حکومت کی پالیسی کا تعین کیا گیا ہے۔ اُس رزولیوشن کے الفاظ حسب ذیل ہیں:۔

"جونیر بنیادی منزل پر تعلیم اور امتحان کا ذریعہ بچے کی مادری زبان ہونا چاہیے
جہاں علاقائی اور سرکاری زبان سے مادری زبان مختلف ہو وہاں مادری زبان
میں تعلیم دینے کا یہ انتظام کرنا چاہیے کہ جب تمام مدرسہ میں اس زبان کے بولنے
والے ۴۰ طلباء کم یا ایک درجے میں ۱۰ سے کم نہ ہوں تو ایک استاد ان
کی تعلیم کے لئے مقرر کیا جائے۔ مادری زبان وہی مانی جائے گی جس کو طالب علم
کے والدین یا سرپرست کہیں یہ اس کی مادری زبان ہے۔"

اس پالیسی کی اترپردیش کے چیف منسٹر نے بھی ایک مراسلہ میں جو انھوں نے مسٹر زیڈ۔ ایم لاری کو جو اُس وقت لیجسلیٹو اسمبلی کے رکن تھے بھیجا تھا تصدیق کی اور پھر اترپردیش کے سکریٹری تعلیمات شری اے۔ این سپرو نے بھی اس پالیسی پر اپنے مراسلہ موسومہ ڈائرکٹر تعلیمات میں زور دیا تھا لیکن باوجود اس کے شری آر۔ ایس۔ سنہا نے جو جبری تعلیم کے خاص افسر تھے میونسپل بورڈوں کے چیرمینوں کو حسب ذیل تحریر بھیجی:۔

"مجھے یہ کہنے کی ہدایت ہوئی ہے کہ حکومت کا حکم یہ ہے کہ تمام ابتدائی مدرسوں
میں ہندی کو لازمی مضمون ہونا چاہیے۔ اردو کی تعلیم پر کوئی اعتراض نہیں ہے
لیکن اگر اردو کو پڑھانا چاہیں تو وہ ایک اختیاری مضمون ہو۔ لہٰذا تمام طلباء پر
بلا لحاظ ذات اور قوم لازم ہوگا کہ وہ ہندی پڑھیں اور وہی نصاب کے
دوسرے مضمونوں کے پڑھانے کا ذریعہ ہو۔"

حکومت ہند کی ہدایت اور ریاستی حکومت کے مقصد کی یہ ایک خلاف ورزی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اردو تمام میونسپل اسکولوں سے خارج ہو گئی۔ اسی زمانہ میں اُن اسکولوں میں بھی جو ڈسٹرکٹ بورڈوں کے ماتحت تھے اردو کی تعلیم روک دی گئی۔ اور باوجود بار بار معروضے اور یادداشتیں پیش کرنے کے ریاستی حکومت اس بے انصافی کو رفع نہ کر سکی۔ اس سب کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ان بچوں کو جن کی مادری زبان اردو ہے بنیادی تعلیم بھی مادری زبان میں حاصل کرنے کی اجازت نہ رہی اور اس طرح اردو ریاست کے تمام بنیادی مدرسوں کے ابتدائی درجوں سے بھی خارج ہو گئی۔ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز یہ واقعہ ہے کہ بہت سے بچوں کی مادری زبان جو کل تک اُن بنیادی اسکولوں میں اردو لکھی ہوتی تھی بچوں کے سرپرستوں سے مشورہ کئے بغیر یکایک ہندی ہو گئی۔ جب یہ صورت حال انجمن ترقی اردو کے علم میں آئی تو اُس نے ایک کمیٹی اس غرض سے مقرر کی کہ وہ اس معاملے کی تحقیقات کرے۔ اس کمیٹی کی رپورٹ جب انجمن کو وصول ہو گئی اور اسے اس بات کا یقین ہو گیا کہ لوگوں کی شکایتیں جائز ہیں تب انجمن نے فیصلہ کیا کہ اس کے اراکین کا ایک وفد ریاستی وزیر تعلیمات کی خدمت میں بھیجا جائے تاکہ وہ ان شکایات کو موصوف کے سامنے رکھے۔ چنانچہ اراکین کا ایک وفد بہ سرکردگی ڈاکٹر ذاکر حسین صدر انجمن ۲۲ر مئی ۱۹۵۱ء کو ڈاکٹر سمپورنانند کی خدمت میں حاضر ہوا جو اس وقت اترپردیش کے وزیر تعلیم تھے۔ یہ وفد اپنے ساتھ صرف شہر لکھنؤ کے ۱۰ ہزار سے زیادہ سرپرستوں کی درخواستیں لے گیا جو چاہتے تھے کہ اردو زبان کے ذریعے سے ان کے بچوں کی تعلیم ہو۔ اس وفد سے وزیر صاحب نے ہمدردانہ طریقے پر ملاقات کی۔ اس کی شکایات کے جواز کو تسلیم کیا اور ازراہ مہربانی تسلیم کیا کہ جبریہ تعلیم کے خاص افسر شری سنہا نے جو گشتی جاری کی تھی وہ حکومت کی پالیسی کے مطابق نہ تھی۔ وفد کو اس کا یقین دلایا گیا کہ آئندہ سیشن کے آغاز کے ساتھ ہی یعنی جولائی ۱۹۵۱ء سے یہ خامیاں رفع کر دی جائیں گی۔ لیکن یہ وعدہ کبھی وفا نہ ہوا۔ موجودہ وزیر تعلیم نے بھی ۱۴ر جولائی ۱۹۵۲ء کو لیجسلیٹو کونسل میں اس وعدے کو دہرایا اور صاف فرمایا کہ ڈائرکٹر تعلیمات کو یہ ہدایت دے دی گئی ہے کہ اگر کسی درجے میں ۱۰ بچے ایسے ہیں جو اردو میں تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں تو وہاں اس کا انتظام کیا جائے۔ لیکن ان ہدایات پر بھی عمل نہیں ہوا اور حالات اب بھی وہی ہیں جو تھے۔ ۸ر اگست ۱۹۵۳ء کو [illegible] ایک درخواست جس پر صاحب گنج اسکول کے جو لکھنؤ کے حلقۂ دولت گنج میں ہے طلباء کے ۹۰ سرپرستوں کے دستخط تھے۔ وزیر تعلیمات اور میونسپل بورڈ لکھنؤ کے سپرنٹنڈنٹ تعلیم کی خدمت میں پیش کی گئی۔ اس درخواست میں استدعا کی گئی کہ چونکہ اُن کے بچوں کی مادری زبان اُردو ہے اس لئے ان کو اسی زبان میں تعلیم دی جائے۔ اس درخواست کا کوئی جواب نہیں ملا اور نہ مطلوبہ انتظام کیا گیا۔

اس سلسلے میں یہ بھی بتا دینا ہے کہ نارمل اسکولوں میں بھی طریقۂ تعلیم اس طرح بدل دیا گیا ہے کہ وہاں بھی اردو کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔

پہلے تو ابتدائی مدارس کے استادوں کے لئے لازمی تھا کہ ہندی اور اردو دونوں زبانیں جانتے ہوں مگر اب اردو کے استادوں کی تربیت ہی بند کر دی گئی۔ علاوہ بریں ہندی اور اردو کی نصابی کتابوں کی اشاعت میں ایک غیر منصفانہ امتیاز قائم کر دیا گیا ہے۔ محکمۂ تعلیم نے ہندی کی نصابی کتابوں کے لئے ٹنڈر طلب کئے اور ناشروں کو ہر کتاب کی ایک معینہ تعداد کے چھاپنے کی ہدایت کر دی۔ اس طرح ان کتابوں کی فروخت کا بھی گویا ذمہ لے لیا۔ برخلاف اس کے اتر پردیش کے ڈائرکٹر تعلیم نے ایک گشتی اس مضمون کی نکال دی ہے کہ ناشر اگر اردو کی نصابی کتابیں چھاپیں تو وہ نقصان اور خسارے کے خود ذمہ دار ہوں گے اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اب اردو کی نصابی کتابیں شاید ہی بازار میں مل سکیں۔

ان حالات میں ہمارے لئے کوئی دوسرا دستوری راستہ کھلا ہوا نہ تھا سوائے اس کے کہ ہم دستور کی دفعہ ۳۴۷ کے تحت جناب والا کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اس دفعہ کے الفاظ حسب ذیل ہیں:-

۳۴۷ ایسا مطالبہ کیا جائے اور پریسیڈنٹ کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ کسی
ریاست کی آبادی کا ایک معقول حصہ چاہتا ہے کہ اس زبان کو استعمال کرے
جو وہ بولتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ ریاست بھی اس کو تسلیم کرے تو انہیں یقیناً
ہے کہ وہ یہ ہدایت کریں کہ ایسی زبان تمام ریاست میں یا اس کے کسی حصے
میں ایسے کاموں کے لئے جن کی وہ تصریح کر دیں سرکاری طور پر تسلیم کی جائے۔"

مندرجۂ بالا دفعہ کی شرائط کو پورا کرنے کے لئے انجمن نے فیصلہ کیا کہ ایسے بالغوں کے دستخط جمع کئے جائیں جو یہ چاہتے ہیں کہ اردو زبان اتر پردیش میں تسلیم کی جائے۔ بیس لاکھ پچاس ہزار سے زیادہ دستخط جمع کر لئے گئے ہیں۔ دستخط کرنے والوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ ان کے خاندانوں میں نابالغوں کی تعداد کیا ہے۔ ایسے نابالغوں کی تعداد بھی ۲۲ لاکھ سے زیادہ ہے۔

عام جلسوں، مظاہروں اور نعروں سے بہت احتیاط کے ساتھ پرہیز کیا گیا۔ اس طرح جو دستخط حاصل ہوئے ہیں ان کو ضلع وار اور قوم وار چھانٹ لیا گیا ہے اور جو دستخط مشتبہ سمجھے گئے ان کو بہت محتاط جانچ کے بعد خارج کر دیا گیا ہے۔ یہ کام ایک منظم طریقہ سے کم و بیش مردم شماری کی طرح کیا گیا ہے۔

ہمیں یہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں کہ اردو زبان اور اس کے ادب نے "ہندوستان کے مشترک کلچر" کی ترقی میں نمایاں حصہ لیا ہے اور وہ اب بھی اس کلچر کا ایک اہم عنصر ہے۔ اس نے اتر پردیش کی مشترکہ تہذیب، مشترکہ زندگی، اور مشترکہ سماجی روایات کی ترقی میں بھی خاص طور پر بہت قابل قدر حصہ لیا ہے۔

ہم یقین کرتے ہیں اور نہایت خلوص کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ اردو زبان اپنے بیش بہا ذخیرۂ الفاظ، اپنے حسین روزمرہ اور شاندار طرز بیان اور ہمہ گیر اور ترقی پسند ادب کے ذریعے سے اب بھی دستور کی دفعہ ۳۵۱ کے مطابق یونین کی سرکاری زبان ہندی کے حسن میں اضافہ کرنے اور اسے مالا مال کرنے اور اس کی ترقی کی تکمیل میں جس کے متعلق دفعہ مذکور میں لکھا ہے کہ وہ اس طرح ترقی کرے کہ "ہندوستان کی مشترکہ تہذیب کے تمام عناصر کے لئے اظہار خیال کے ذریعے کا کام دے" بہت اہم حصہ لے سکتی ہے۔

لہٰذا ہم اتر پردیش کے اردو بولنے والوں کی طرف سے "جو ریاست کی آبادی کا ایک قابل لحاظ حصہ ہے"، جیسا کہ اس یادداشت کی تائید میں ۴۰ لاکھ سے زیادہ دستخطوں سے ظاہر ہوتا ہے، استدعا کرتے ہیں کہ جناب والا مہربانی فرما کر دستور کی دفعہ ۳۴۷ کے تحت ہدایت جاری فرمائیں کہ اردو زبان بھی اتر پردیش میں ایک علاقائی زبان تسلیم کی جائے اور اس طریقے سے سرکاری کاموں میں استعمال کی جائے کہ وہ حسب ذیل مقاصد کو پورا کر سکے۔

(۱) ایسے بچوں کے لئے جن کی مادری زبان اردو ہے ابتدائی درجے میں وہ ذریعہ تعلیم ہو اور جہاں کہیں اردو بولنے والے بچوں کی تعداد کافی ہو یعنی ۴۰ کسی مدرسے میں ہو یا ۱۰ کسی کلاس میں وہاں اردو کے ذریعے سے تعلیم دینے کا انتظام کیا جائے ایسے مقامات پر جہاں اردو بولنے والی آبادی زیادہ ہو ایسے اسکول قائم کئے جائیں جن میں ذریعہ تعلیم اردو ہو۔ اس کا فیصلہ بچے کی مادری زبان کیا ہے اس کے والدین یا سرپرستوں کے کہنے کے مطابق ہونا چاہئے۔

(۲) ابتدائی درجوں میں اردو کے ذریعے تعلیم دینے کی قابلیت رکھنے والے استادوں کو کافی تعداد میں تربیت دینے کے انتظامات کئے جائیں۔

(۳) ایسا انتظام کیا جائے کہ اردو زبان میں کافی نصابی کتابیں مہیا ہو سکیں۔

(۴) ایسے ثانوی مدارس کو جو اردو کے ذریعے تعلیم دیتے ہوں ریاست تسلیم کرے اور دوسرے ثانوی مدارس کو امداد دینے کے جو قواعد ہوں انہی کے مطابق ان مدارس کو بھی سرکاری امداد دی جائے۔

(۵) اتر پردیش میں کم از کم ایک یونیورسٹی ایسی ہو جہاں اردو زبان کو بتدریج ذریعہ تعلیم بنایا جائے۔

(۶) اعلیٰ تعلیم کا انتظام کرنے والے اور اردو کے ذریعے سے ادب اور سائنس کی اشاعت کرنے والے مشہور اداروں کو کافی مالی امداد ملنی چاہیے۔

(۷) اردو کے ایسے اہل قلم اور اہل علم کی جو اپنی قابلیت کی وجہ سے ممتاز ہوں ریاستی حکومت کی طرف سے انعامات اور عطایا کے ذریعے سے ہمت افزائی کی جائے۔

(۸) ہندوستانی اکیڈمی میں اردو کے اہل قلم کو کافی نمائندگی دی جائے۔

(۹) سرکاری اور سرکاری امداد پانے والے کتب خانوں کے لئے اردو کی کتابیں بھی مہیا کی جائیں۔

(۱۰) اردو میں لکھی ہوئی عرضیاں ریاست کی عدالتوں اور دفتروں میں قبول کی جائیں اور ان پر توجہ کرنے اور اُن کا فیصلہ کرنے کی آسانیاں مہیا کی جائیں۔

(۱۱) گورنمنٹ کی شائع کردہ ضروری اطلاعات، قوانین اور مطبوعات اردو میں بھی شائع کی جائیں۔

آخر میں ہم جناب والا کی خدمت میں اس امر پر گہرے تشکر کے اظہار کی اجازت چاہتے ہیں کہ جناب نے ہم کو اپنے حضور میں ایک ایسے مسئلہ کو پیش کرنے کا موقع دیا جو ہندوستانی آبادی کے ایک بڑے حصے کے دلوں کو بہت عزیز ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ جناب والا اُن احساسات اور حقائق پر ازراہ کرم توجہ فرمائیں گے جو اس یادداشت میں پیش کئے گئے ہیں۔ جناب والا کی طرف سے ایک لطف آمیز اشارہ بھی اس عظیم الشان سرزمین کے مختلف فرقوں کے درمیان اتحاد کو مضبوط کرنے میں بڑا کام کرے گا اور ایک دل شاد اور متحد ملک کے نصب العین کے حصول میں معاون ہو گا۔

معروضہ

اراکین وفد انجمن ترقی اردو (ہند)

صدر جمہوریہ سے وفد کی ملاقات

۱۵ر فروری ۱۹۵۴ء کو شام کے چار بجے اول صدر انجمن ڈاکٹر ذاکر حسین اور جنرل سکریٹری قاضی عبدالغفار صاحب نے صدر جمہوریہ سے ملاقات کی۔ اُس کے بعد ۵ بجے تمام دوسرے اراکین وفد تشریف لائے اور کانفرنس کے کمرے میں بٹھائے گئے۔ جس وقت صدر جمہوریہ تشریف لائے تو ڈاکٹر ذاکر حسین نے تمام اراکین وفد کا موصوف سے تعارف کرایا۔ اُس کے بعد ایک لمبی میز کے گرد بیٹھ کر گفتگو شروع ہوئی۔

گفتگو رسمی نہ تھی بلکہ صدر جمہوریہ نے یہ فرما کر گفتگو کا آغاز فرمایا کہ یادداشت کے اب پڑھنے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ میں اس کو پڑھ چکا ہوں۔ صدر انجمن نے تمہید کے طور پر انجمن کے مطالبات اور ان شکایات پر زور دیا جو یادداشت میں درج تھیں۔ دوسرے ممبران نے بھی مختلف امور کی توضیح کی اور صدر جمہوریہ نے بہت توجہ اور ہمدردی کے ساتھ تمام گفتگو کو سن کر فرمایا مطالبات ایسے ہیں جن کا اصول گورنمنٹ پہلے ہی تسلیم کر چکی ہے۔ لیکن ان پر عمل کرنے کا سوال قابل توجہ ہے اور میں مرکزی حکومت اور نیز ریاستی حکومت سے مشورہ کرنے کے بعد طے کروں گا کہ جن اصول کا نفاذ نہیں ہو سکا ان کا نفاذ کس طرح کیا جائے۔

آخر میں موصوف نے فرمایا کہ وفد کی ملاقات اور گفتگو کے متعلق جلد ایک سرکاری بیان شائع کیا جائے گا۔ یہ ملاقات ۵۰ منٹ تک جاری رہی اور جس فضا میں گفتگو ہوئی وہ ممبران وفد کے خیال میں یقیناً امید افزا تھی۔

ہلکے ہلکے اشارے

—— اس اشاعت میں اڈیٹر ہماری زبان کے لکھے ہوئے اداریہ کے بجائے صدر جمہوریہ کی خدمت میں انجمن ترقی اردو کا عرضداشت بمنزلہ اداریہ شائع کیا جاتا ہے! اس عرض گزاری اور اس کے جواب کے متعلق جو کچھ عرض کرنا ہوگا اس کے لئے ہماری زبان کی آئندہ اشاعت کا انتظار کیجئے۔

—— راولپنڈی کے ایک اخبار میں ذیل کا اشتہار شائع ہوا ہے۔

"ہم نہایت مناسب معاوضہ پر آپ کی غزلیں اور دیگر اصناف سخن درست کرکے اس قابل بنادیں گے کہ معیاری جرائد انھیں بصد شکریہ شائع کریں گے نیز آپ کی فرمائش کے مطابق آپ کے تخلص کے ساتھ ہر قسم کا کلام خود لکھ کر بھی بھیجا جاتا ہے۔ شرح معاوضہ حسب ذیل ہے۔ غزل کی اصلاح دو روپے، حق تصنیف پانچ روپے۔ نظم کی اصلاح پر گیارہ اشعار تک دو روپے، معاوضہ تصنیف پانچ روپے۔ بلا فرمائش کے ہمراہ منی آرڈر کی رسید بھیجئے ورنہ غور نہیں کیا جائے گا۔"

(ناظم دار التصنیف دریا خان، میانوالی)

ایک معاصر نے سوال کیا ہے کہ اگر کوئی صاحب اپنا مکمل دیوان یا کلیات اس ادارے کے ذریعے سے تیار کرانا چاہیں تو اس کا معاوضہ کیا دینا ہوگا —— ہمارے خیال میں جب حق تصنیف فی غزل پانچ روپے ہے تو ماشاء سو غزلوں والے دیوان کے پانچ سو روپے اور اس کے آگے اسی حساب سے ہزار غزلوں تک کا حساب لگا لیجئے —— ناظم صاحب دار التصنیف سے ہم عرض کریں گے کہ انھوں نے شرح اجرت صحیح تصنیف نہیں فرمائی۔

کہ ع بالا کن کہ ارزانی ہنوز!!

—— دلی کے ایک جلسہ عام میں تقریر کرتے ہوئے ایک کمیونسٹ لیڈر مسٹر سجاد حسن گپتا نے اردو زبان کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔

اس وقت ملک میں اس زبان کو ختم کرنے کا رجحان کام کر رہا ہے مگر جمہوری تحریک اس زبان کی حمایت کرے گی کیونکہ ہندستانی مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد کی یہ مادری زبان ہے اور اس زبان میں وہ تعلیم حاصل کرتی ہے۔ مسلمانوں کو اپنی زبان کے ختم ہو جانے کا جو خطرہ محسوس ہو رہا ہے اُسے ختم کرنا ہے۔ اُن کی مذہبی اور تمدنی آزادی کی حفاظت کرنی ہے اور یہ سب اس وقت ممکن ہو سکتا ہے جب حقیقی بنیاد پر ہندو مسلم اتحاد قائم کیا جائے۔

مسٹر گپتا نے کہی صاف اور سچی بات —— دراصل زبان کا معاملہ دل کا معاملہ ہے —— اور دل کا معاملہ اکثریت کے اختیار کے باہر معلوم ہوتا ہے —— سب سے زیادہ نام نہاد ہندی پریمیوں کا دل قابو سے باہر ہو گیا ہے! اس کو کیا کیجئے!!

—— کشمیر اور ہندوستان کے درمیان جو نیا سمجھوتہ ہو رہا ہے اس میں ایک بات یہ بھی طے پائی ہے کہ ریاست کی زبان اردو اور کشمیری رہے گی اور ہندوستان کی سرکاری زبان کو صرف کشمیر اور ہندوستان کے درمیان مراسلت کے لئے اختیار کیا جائے گا —— تو پھر کشمیر کی ہندوستان میں شرکت کے معنی کیا ہوئے! وہ ہندی کو اپنی ریاستی زبان نہیں مانتا۔ تو پھر وہ ہندستانی کیونکر کہا جا سکتا ہے! —— اور غضب یہ کہ اردو زبان کو جس کا کوئی وجود ہی نہیں وہ اپنی سرکاری زبان قرار دیتا ہے!! —— بہ شیخ عبداللہ کے بعد یہ نئے کشمیری وزیر اعظم بھی کچھ ٹھیک آدمی نہیں معلوم ہوتے!!

—— اٹاوہ (بانده) ۳ جنوری۔ اتر پردیش ساہتیہ سمیلن کے اجلاس میں جو یہاں ہو رہا ہے تقریر کرتے ہوئے ہندی کے مشہور ناول نگار برندابن لال ورما نے لوگوں کو متنبہ کیا کہ وہ بعض لوگوں کی اس تحریک سے ہوشیار رہیں جو اردو کو ایک علاقائی زبان منوانے کے لئے شروع کی گئی ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ ایسی ہے جیسے ہاتھی کو سوئی کے ناکے سے گزارنے کی کوشش کی جائے۔ لیکن اس کے ساتھ انھوں نے یقین دلایا کہ اردو کے ساتھ پورا انصاف کیا جائے گا۔ کیونکہ دستور اور ہمارے دل دونوں میں جگہ ہے۔ ہم اردو کا احترام کرتے ہیں۔ مگر روزمرہ کی زندگی کو ان لوگوں سے خطرہ پیدا ہو گیا ہے جو اردو کو صوبائی زبان منوانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ انھوں نے بتلایا کہ بیس لاکھ دستخط "اسلام خطرے میں ہے" کا نعرہ لگا کر لئے گئے ہیں۔

—— اردو سے انصاف کئے جانے کے وعدہ کی تعبیر اس سے بہتر کیا ہوگی کہ شری ورما جی نے علاقائی تحریک کا ڈانڈا اسلام اور پاکستان سے ملا دیا!! یہ بھوت کچھ اس طرح سروں پر سوار ہے کہ کچھ بھی کہئے اس میں ہمارے ان ہم وطنوں کو اسلامیت اور فرقہ داریت کی بو آتی ہے!! یعنی

نازک دماغ شاہاں تاب سخن ندارد!!

—— کچھ نہ کہو بلکہ کسی مسئلے کی جو تعبیر وہ فرمائیں بس اُسی کو تسلیم کر لو! یہ ہے سچی قوم پرستی اور وطن پرستی!!

—— اسی سلسلے میں ٹنڈن جی کیا فرماتے ہیں وہ بھی سن لیجئے:۔ مدھیہ بھارت ہندی ساہتیہ سمیلن کی جوبلی میں تقریر کرتے ہوئے انھوں نے فرمایا کہ:۔

ہندی کی مخالفت وہ لوگ کرتے ہیں جن کی بھارتیہ کلچر سے وفاداری مشتبہ ہے اور جو مغربی تہذیب سے بُری طرح متاثر ہیں —— ٹنڈن جی نے اس بات کا اعلان کرتے ہوئے کہ وہ اردو کے دشمن نہیں ہیں یہ بھی کہا کہ اس وقت اردو کو اتر پردیش میں ہندی کے برابر جگہ دلانے کی جو تحریک جاری ہے وہ کسی طرح مناسب نہیں ہے انھوں نے کہا کہ اس مطالبے کے پیچھے جو عناصر کام کر رہے ہیں ان کو ہندوستان کے

بھول اتحاد کی خواہش نہیں ہے۔

انھوں نے کہا کہ اس قسم کا مطالبہ کہ عوام کو بہت ہی نفسیاتی طریقے پر الگ الگ گروہوں میں بانٹا جا رہا ہے۔ ہندی کے پرستاروں کو چاہیے کہ وہ اس قسم کی کوشش سے ہوشیار رہیں جو اتر پردیش میں کی جا رہی ہے۔ آخر میں انھوں نے علاقائی زبانوں کے حامیوں سے اپیل کی کہ وہ اپنے مطالبے پر زور نہ دیں کیونکہ اس سے قومی اتحاد کو سخت نقصان پہونچے گا۔

——— بات ایک ہی ہے اور تقریباً ایک ہی طرح کہی گئی! جب کوئی معقول دلیل علاقائی تحریک کے خلاف نہیں ملتی تو فرقہ واریت کے گڑے مردے اکھیڑنے کی کوشش کی جاتی ہے ——— ہمارے نیتا لوگ جانتے ہیں کہ جب تک وہ یہ شوشے نہ اٹھاتے رہیں گے جہلا کے جذبات کو اپنی ذات سے کس طرح وابستہ رکھ سکیں گے ——— یہ زبان کا مسئلہ نہیں ہے، لیڈری کا مسئلہ ہے!

——— ہندوستان ٹائمز کے ایک نامہ نگار نے یہ عجیب و غریب خبر دی ہے کہ ٹنڈن جی کو کسی ریاست کی گورنری دی جا رہی تھی، لیکن انھوں نے قبول نہیں فرمائی۔ بقول نامہ نگار، ٹنڈن جی کے دوستوں کا خیال ہے کہ ان کے لئے وائس پریسیڈنٹ ہی کی جگہ موزوں ہو سکتی تھی، افسوس ہے کہ وہ عہدہ ان کو نہیں دیا گیا۔

——— اس وقت اردو کے محاذ پر ٹنڈن جی کے لئے اتنا کام موجود ہے کہ انھیں کسی عہدے کے فرائض انجام دینے کی فرصت کہاں!! اردو والوں کا خطرہ رفع ہو جائے تو پھر اگر وزیر اعظم کی جگہ بھی پیش کی جائے تو وہ انکار نہ کریں گے!! ابھی تو ہندوستان کا کلچر اس اردو کی تحریک کی وجہ سے خطرے میں ہے ——— ٹنڈن جی فرماتے ہیں کہ ایسی حالت میں:-

بے دماغ نہیں خندہ ہائے بیجا کا!!

——— یہ غلط نامہ یا صحت نامہ ملاحظہ ہو:-

غلط	صحیح
رکشا والا	سنوشیار پر تیت تریچا کرواہن . سارا تھی
ریلوے اسٹیشن	اگنی رتھ وشرام استھانا
عینک	اپالو چنا دیوی گولا کس
....	....
	پیا تمہ شری تپی
ریلوے ٹکٹ	اگنی رتھ پردیش پتر یکا
اسٹیشن ماسٹر	اگنی رتھ وشرام استھانا ادھی پتی
سگنل	اگنی رتھ گمن اگمن سوچا کا لوہا پٹیکا
اڈیٹر	نیان تراکا
پیشاب	لگھو شنکا
کاپی رائٹ	پرتی لپیہ ادھکار

اڈیٹر جنرل	نین ترک مہا لیکھا پر یکھک
پبلک نوٹس	سارو جنک ادھی سوچنا
کورٹ آف وارڈس	پرتی پالک ادھی کرن

ایک دلچسپ اجتماع

مسلم یونیورسٹی یونین کے اجتماعات کی تاریخ میں ۲۰ جنوری ۱۹۵۴ء کا اجتماع زیر صدارت جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند ہمیشہ یادگار رہے گا آغاز کار کی تفصیل بتاتے ہوئے خیر بہوروی صاحب مددگار جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند نے فرمایا۔

آج یونیورسٹی کے ہوش مند طلبا کی انجمن ترقی اردو کا افتتاحی جلسہ ہے اور یہ اجتماع اس یونین ہال میں ہے جہاں سے اٹھنے والی ہر آواز اپنے اندر ایک وزن رکھتی ہے اور جہاں بڑی بڑی انقلاب آفریں تحریکوں نے جنم لیا ہے اور اب بھی جب کوئی انقلاب آواز دے گا تو یہاں کے طلبا کا قدم پیچھے نہیں رہے گا۔ (تالیاں)

یونین ایک تاریخ ہے جس کے اوراق دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں اس تاریخ کی حفاظت کی آپ پر بڑی ذمہ داری ہے۔

آپ خوش نصیب ہیں کہ اس زبان سے محبت رکھتے ہیں جس کے خمیر میں اتحاد ہے اور جو اس ملک کے باشندوں کے تعلقات کی لائق فخر یادگار ہے۔ آپ کے ہاتھوں میں ٹکٹ کے بجائے جو کتاب ہے اس کا نام "اردو زبان" ہے۔ آپ نے جس ذوق سے یہ ٹکٹ خریدا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو اس اجتماع کی اہمیت کا احساس ہے اور آپ اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہیں کہ زبان قومی تہذیب اور اتحاد خیال کا بڑا کارگر عنصر ہے۔"

صدارت کی تحریک لطف الرحمٰن فیروز صدر شاخ انجمن ترقی اردو اور تائید عابد اللہ غازی جنرل سکریٹری نے کی۔

خطبۂ صدارت قاضی صاحب نے اجتماع کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اس وقت شعر کہنے والوں اور سننے والوں دونوں سے مخاطب ہوں۔

شاعری صرف زندگی کا عکاس اور مصور ہوتا ہے بلکہ زبان اور تہذیب کا معمار بھی ہوتا ہے۔ وہ زبانوں کو سنوارتا ہے اور قوموں کی تہذیبی روایات کو زندہ رکھتا ہے۔ اس لئے جب مجھے شعر و شاعری کی محفلوں کا معیار گرتا نظر آتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ہماری تہذیب کی دیواریں گر رہی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان محفلوں کا رنگ بگڑا ہوا ہے۔

یوں تو گھر گھر مشاعروں کا چرچا ہے لیکن مشاعرے بازی ایک وبا سی ہو گئی ہے۔ شہد بہت مفید غذا ہے لیکن ایک ہی دفعہ پاؤ سیر یا آدھ سیر شہد

کھلیے! - پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ مشاعروں کی کثرت کا نتیجہ یہ ہے کہ بد ذوقی بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے اور مشاعروں کا معیار گرتا جا رہا ہے۔ سامعین کی حالت یہ ہے کہ ان میں سے ۹۰ فیصدی صرف تفریح کے لئے مشاعروں میں آتے ہیں بنیا میں نہ گئے دو چار گھنٹے مشاعرے کی "ہو حق" میں گزار دے۔ ان صاحبوں کو نہ تو ان محفلوں کی اہمیت کا احساس ہوتا ہے اور نہ وہ یہ سمجھ کر آتے ہیں کہ جس زبان کی شاعری سے وہ لطف اندوز ہونے آتے ہیں وہ آج کل کن مشکلات میں مبتلا ہے اور کس قدر ان کی خدمات کی محتاج ہو رہی ہے۔ یہ لوگ جب مشاعرے سے اٹھ کر جاتے ہیں تو راستے میں صرف اتنی ہی بات انھیں یاد رہتی ہے کہ فلاں شاعر نے کیا خوب قافیہ باندھا تھا اور کس قدر شگفتہ زمین میں غزل کہی تھی۔ صبح تک یہ باتیں بھی وہ بھول جاتے ہیں اور مشاعروں کا اصل مقصد یعنی یہ کہ مشاعروں کے ذریعے سے دلوں میں اردو زبان کی محبت استوار کی جائے فوت ہو جاتا ہے۔ میں تو اس حالت کو دن رات دیکھتا ہوں اور کڑھتا ہوں۔ حضرت اکبر الہ آبادی نے اسی حالت کو اس طرح بیان کیا تھا کہ:-

بوسہ کیسا کہ گلوری بھی نہیں پاتا ہوں
بس کلام اپنا انھیں جا کے سنا آتا ہوں
وہ یہ کہتے ہیں کہ کیا خوب کہا ہے واللہ
میں یہ کہتا ہوں کہ "آداب بجا لاتا ہوں"!!

مشاعروں کی یہ حالت عام مذاق کی پستی کا ایک صحیح عکس ہے۔

کچھ ایسی ہی حالت ان لوگوں کی ہو رہی ہے جو مشاعرے کی محفلوں کا انتظام کرتے ہیں۔ یا تو شخصی نمود کا جذبہ یا سیاسی مصلحتیں ان کو ان محفلوں کے ترتیب دینے کی ترغیب دیتی ہیں۔ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ ملک کے "بڑے آدمیوں" اور لیڈروں اور حکومت کے اعلیٰ عہدہ داروں سے تقرب حاصل کرنے کی خواہش یہ بہانہ پیدا کرتی ہے، یعنی:

سیکھے ہیں مہ رخوں کے لئے ہم مصوری
تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے!

گزشتہ سال اسی علی گڑھ کی نمائش میں چند گھنٹوں کے لئے چلا گیا تو میں نے یہ دیکھا کہ نمائش کے پلیٹ فارم پر لیڈر پرستی اور سرکاری عہدہ داروں کے تقرب کی خواہش کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ جیسے ہی وزیر صاحب محفل سے اٹھے ایسا معلوم ہوا کہ محفل کی شمع گل ہو گئی اور پروانے اڑ گئے۔ سارا پلیٹ فارم خالی ہو گیا اور صرف شعرا بیٹھے رہ گئے۔ وہ کیسا تکلیف دہ اور شرمناک منظر تھا۔ اس طرح مذاق سخن کا بھانڈا پھوٹ جاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ اردو زبان کی محبت نہیں ہے جس کے تحت مشاعرے کرائے جاتے ہیں بلکہ وہ اور ہی کچھ بات ہے!! میں یہ نہیں کہتا کہ کسی سرکاری عہدہ دار کو مشاعرے کی صدارت یا افتتاح کرنے کی دعوت ہی نہ دی جائے۔ لیکن یہ کیا غضب ہے کہ ان کاموں کے لئے ایسے سرکاری عہدہ داروں کا بھی انتخاب کیا جائے جو ایک مصرع صحیح نہ پڑھ سکتے ہوں، یہ شاعری کے آرٹ کی سخت توہین ہے۔

اب میں شعرائے کرام سے بھی کچھ عرض کروں گا۔ ایسی محفلوں سے جہاں عامیانہ مذاق کے مظاہرے ہوتے ہیں ان کو اٹھ جانا چاہیے اور فقرہ بازی، بد مذاقی کے خلاف پوری قوت سے احتجاج کرنا چاہیے۔ تب ہی وہ عوام کی پست مذاقی کی کچھ اصلاح کر سکیں گے۔ اگر وہ ان باتوں کو گوارا کرتے رہیں گے تو عوام کے مذاق کی اصلاح کرنے کے بجائے خود ہی اس بد مذاقی میں مبتلا ہو جائیں گے۔

مجھے اپنے ان نوجوان بھائیوں سے بھی کچھ کہنا ہے جو شاعر بننے کی خواہش رکھتے ہیں۔ یہ دولت خداداد عطا ہوتی ہے اور فطرت کے تقاضے شاعر بناتے ہیں۔ یہ کوئی بڑھئی یا لوہار کا فن نہیں ہے جس کو سیکھا جائے۔ کوئی شخص صرف اس لئے شاعر نہیں بن سکتا کہ وہ چاہتا ہے کہ شاعر بنے۔ بعض وقت اشتہائے باطل اور اشتہائے صادق کا فرق سمجھ میں نہیں آتا تو یہ بدہضمی ہو جاتی ہے۔ اپنے نوجوان بھائیوں سے کہوں گا کہ وہ شعر گوئی کے شوق میں مبالغہ سے کام نہ لیں۔ اس سلسلے میں انھیں ایک لطیفہ سناتا ہوں۔ جب میں حیدرآباد میں اخبار نویس تھا تو ایک دفعہ اپنے اخبار کے لئے ایک مترجم کی ضرورت ہوئی اشتہار دیا تو عثمانیہ یونیورسٹی کے متعدد گریجویٹوں نے درخواستیں دیں۔ ایک نوجوان نے آنکھوں میں آنسو بھر کر اپنے معاشی حالات بیان کئے اور اصرار کیا کہ ان ہی کا تقرر کر دیا جائے۔ میں نے ان کے حالات سے متاثر ہو کر ان کا تقرر تو کر دیا لیکن انھیں سمجھا دیا کہ وہ محنت سے نہ گھبرائیں۔ انھوں نے مجھے بھی یقین دلایا کہ وہ اتنے ضرورت مند ہیں کہ دل لگا کر کام کریں گے۔ لیکن ایک ہفتہ کے بعد وہ میرے پاس آئے اور فرمانے لگے کہ انھیں ان کے فرائض سے سبکدوش کر دیا جائے۔ بیچارے بہت شرمائے ہوئے اور افسردہ تھے لیکن سبکدوش ہونے پر اصرار کر رہے تھے۔ میں سمجھا کہ شاید انھیں کوئی بہتر نوکری مل رہی ہے اور میں نے ان سے کہا کہ اگر ایسا ہے تو مجھے بہت خوشی ہوگی لیکن وہ فرمانے لگے کہ ان کے استعفے کا سبب یہ نہیں ہے۔ آخر مجھے یہ راز دریافت کرنا پڑا کہ آخر سبب کیا ہے۔ فرمانے لگے کہ کیا عرض کروں مجھے کچھ شعر گوئی کا شوق ہے اور مشاعروں میں جاتا ہوں رات کے وقت میں شعر لکھا کرتا ہوں اور رات ہی کو مشاعرے ہوتے ہیں۔ یہاں رات کو کام کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے شعر و شاعری کا شغل بند ہو گیا ہے۔ لہٰذا ملازمت سے دست برداری ضروری ہوگی!! میں آپ سے کیا کہوں کہ کس قدر غصہ آیا۔ بہرحال اس کے بعد تو جب کوئی نوجوان ملازمت کی تلاش میں آتا تھا تو میں اس سے پہلا سوال یہی کرتا تھا کہ "آپ شاعر تو نہیں ہیں"۔ اس قسم کی شعر بازی ہمارے نوجوانوں کے حق میں مفید نہیں ہو سکتی۔ یہ تو ایک مرض کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

میرا عقیدہ یہ ہے کہ اردو زبان کے ادب اور شاعری کے اصلی معیار کو قائم رکھنے کے لئے ہمیں مشاعروں کے قدیم آداب محفل اختیار کرنے چاہئیں اور اس معاملے میں سنجیدگی کو مذاق سخن کی شرط اول سمجھنا چاہیے ورنہ مشاعروں کی کثرت مفید ہونے کے بجائے مضر ثابت ہوگی۔ آرٹ سستا اور بازاری بن جائے گا اور اس کی روح فنا ہو جائے گی۔

میرے منہ کا مزہ کسی قدر تلخ ہے اور اگر میری باتوں سے آپ کے منہ کا مزا بھی تلخ ہو جائے تو مضائقہ نہیں۔

تقریر ختم ہوئی تو انعامات تقسیم کیے گئے۔ پہلا انعام صدیق الرحمٰن قدوائی فرسٹ ایر آرٹس، دوسرا انعام سلطان علی شیدا سیکنڈ ایر، تیسرا انعام محمد عثمان فاروقی سیکنڈ ایر اور ایک خاص انعام محمد انصار احمد فرسٹ ایر کو ملا۔ یہ انعامات کتابوں کی شکل میں دیے گئے جس انعامی مضمون کے مقابلے کا اعلان کیا گیا تھا اس کا عنوان یہ تھا "ہم یونیورسٹی کے ماحول میں رہ کر اردو کی کیا خدمت کر سکتے ہیں۔"

تقسیم انعامات کے بعد قاضی صاحب نے اعلان فرمایا کہ سو روپیہ کا انعام یونیورسٹی کے اس طالب علم کو دیا جائے گا جس کا مضمون اول آئے گا۔ مضمون کے عنوان کا اعلان جلد ہی ہوگا۔

لطف الرحمٰن فیروز صدر شاخ انجمن نے اپنی رپورٹ میں کہا۔

ہماری شاخ ہمارے دوستوں کے تعاون سے بنی ہے اور ان کا تعاون ہمیشہ رہے گا۔ کسی انجمن کی تشکیل آسان ہے مگر اس کی تحمیل مشکل ہے مگر ہم اس کو آسان بنائیں گے۔ ہم یونیورسٹی کی فضا میں رہ کر اپنی زبان کی حفاظت کے لئے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ ہر چند کہ موجودہ فضا اردو کے لئے ہمت افزا نہیں ہے مگر اس کے مستقبل سے مایوس ہونے کے بجائے ہم کو ہمت اور جوش سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔ زبان یا قوموں کی ترقی محض حکومت ہی کے ہاتھوں سے فروغ نہیں پاتی عوام کا ہاتھ بھی پروان چڑھانے میں معاون ہوتا ہے۔ اردو حکومت کی زبان کسی بھی زمانے میں نہیں رہی عوام کی زبان رہی ہے اور مشترک تہذیب کی مثال ہے۔ غالب، سرسید، حالی سے ایک طرف تو سرشار، چکبست اور پریم چند سے دوسری طرف اس کو نکھارا ہے۔ ترقی پسند ادب ہو یا تعمیر پسند اسلامی ادب سوشلسٹ کی پارٹی ہو یا کمیونسٹ پلیٹ فارم، اردو ہر جگہ اپنے حقوق کے ساتھ زندہ ہے اور موجودہ سیاسی حقبندی کا کوئی اثر اس پر نہیں ہے۔ یہ اس زبان کی ہمہ گیری کا سب سے بڑا ثبوت ہے اور اس مرکز خیال اور مشترک آواز کا پلیٹ فارم انجمن ترقی اردو (ہند) ہے جس کی شاخ ہم نے یونیورسٹی میں قائم کی ہے جس طرح مرکزی انجمن میں ہر مکتبہ خیال کے لوگ شامل ہیں اسی طرح یہ فخر ہماری شاخ کو بھی ہے کہ اس کے اراکین میں ہر خیال اور زاویہ نگاہ کے اصحاب شریک ہیں۔

اہتمام یہ کیا گیا تھا کہ افتتاحی کارروائی کے بعد شعر و ادب کی بزم بھی منعقد کی جائے۔ اگرچہ اس کا عام اعلان نہیں ہوا تھا پھر بھی اس میں طالبات، اساتذہ اور دوسرے اصحاب کی کافی تعداد جمع ہو گئی۔ داخلہ کے لئے جو ٹکٹ کے بجائے ایک کتابچہ تھی جو کافی تعداد میں ہونے کے باوجود ختم ہو گئے اور مجمع اتنا کہ بڑا ہال بھرا ہوا تھا۔

اس کے بعد مشاعرے کا آغاز حضرت دل لکھنوی کی غزل سے ہوا اور حسب ذیل شعرائے کرام نے اپنا کلام سنایا۔

الحاج حضرت جگر مرادآبادی۔ سردار جعفری۔ واحق جونپوری۔ ... زیدی پوری۔ ڈاکٹر حبیب الرحمٰن۔ ڈاکٹر مسعود حسن خاں قیصر الہ آبادی۔ ماہر بنارسی۔ شمیم جے پوری۔ حفیظ لکھنوی۔ کامل دہلوی۔ نظر گورکھپوری۔ حفیظ رامپوری۔ شفیق انجم۔ مقامی شاعر محمود آفندی۔

طلباء نے پورے ذوق کے ساتھ اپنے مخصوص انداز میں داد سخن دی۔ بعض شعراء کے کلام پر یونیورسٹی کی روایتی داد بھی پیش کی گئی جو لطف سے خالی نہیں تھی۔

اراکین انجمن ترقی اردو کی طرف سے شعرا اور دوسرے معززین کو جو عصرانہ دیا گیا وہ بھی اپنی نوعیت کے لحاظ سے یادگار رہے گا۔

علی گڑھ ایک تاریخی مرکز ہے اور اپنی انفرادیت ہر حال میں قائم رکھتا ہے۔ اس بزم مشاعرہ اور افتتاحی جلسہ کے متعلق بھی با اثر حلقوں میں چرچا ہے کہ اس کی نوعیت جداگانہ تھی اور اس طرح کے اجتماعات بہت کم ہوتے ہیں۔

(نامہ نگار)

انجمن ترقی اردو کا نام

اس امر کا اعلان کئی بار کیا جا چکا ہے کہ انجمن ترقی اردو (ہند) رجسٹرڈ ادارہ ہے۔ جب تک اس ادارے سے کسی ادارے کا باضابطہ الحاق نہ ہو اس کا نام استعمال کرنا جائز نہیں ہے مگر بعض صاحبوں کو جو اپنے آپ کو اردو کا دوست بھی کہتے ہیں، یہ ضد ہے کہ ان کا ادارہ مرکزی انجمن سے ملحق ہو یا نہ ہو وہ اس کا نام ضرور استعمال کریں گے۔

اسی طرح بعض صاحبوں کو اس پر اصرار ہے کہ شاخوں کے قواعد میں جب تک ترمیم اور لوچ نظر نہیں آئے گی وہ اپنی شاخ کا مرکز سے الحاق نہیں کرائیں گے ایک اور صاحب جو خدا کے فضل سے وکیل بھی ہیں اور انھیں اردو کا بے پناہ درد بھی ہے اتنی سی بات پر خفا ہو گئے کہ انکی شاخ کے ممبروں کی فہرست دفتر نے کیوں طلب کی۔

کچھ بیکار لوگ جو سستی شہرت کے بھوکے ہیں یا دل میں کوئی اپنی غرض چھپائے ہوئے رہتے ہیں انجمن ترقی اردو کے نام سے رسیدیں چھپوا کر اردو کانفرنس یا کل ہند مشاعرے کے لئے چندے کی وصولی شروع کر دیتے ہیں اور اخبارات میں اپنی اردو دوستی سے متعلق مضامین بھی چھپوانے لگتے ہیں۔ مگر جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ آپ لوگوں نے انجمن بنائی تو مرکز سے کوئی خط و کتابت کیوں نہیں کی اور مرکز سے اس کی اجازت کیوں حاصل نہیں کی تو وہ اپنے عیوب چھپانے کے لئے سند الحاق کے سلسلوں میں اتنے تیز ہو جاتے ہیں کہ روزانہ کی ڈاک سے ایک رجسٹری جنرل سکریٹری صاحب کے نام بھیجنے لگتے ہیں اور اپنے کام کا پروگرام ایسا پیش کرتے ہیں گویا اب مرکزی انجمن کی ضرورت باقی نہیں رہیگی۔ سب کام انہیں کی انجمن انجام دیگی۔ ایسے تمام احباب سے میری یہ گزارش ہے کہ مرکزی انجمن کے قواعد و ضوابط کی پابندی کریں اور جب تک مرکز سے الحاق کی سند نہ حاصل کرلیں انجمن کے نام سے کوئی کام نہ شروع کریں۔ اردو کے حامیوں سے بھی کہتا ہوں کہ انہیں جب تک اس کا صحیح طور پر علم نہ ہو جائے کہ وہ جس انجمن کو اردو کی خدمت کے نام پر چندہ دے رہے ہیں اس کا تعلق مرکزی انجمن سے ہے یا نہیں۔ اس وقت تک بنام اردو کسی قسم کا کوئی چندہ کسی کو نہ دیں نہ ایسے اداروں کے اراکین سے کوئی تعاون کریں۔

(خیر بہروزی مددگار جنرل سکریٹری۔ انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ)

کل آندھرا چوتھی اردو کانفرنس

۱۰ جنوری کو پچھلی نندر میں یہ کانفرنس منعقد ہوئی جس کے صدر جناب ملا عبد اللہ بھائی ملا طاہر علی صاحب ممبر پارلیمنٹ تھے۔ کانفرنس کا افتتاح ڈاکٹر جیسوریا نائیڈو نے کیا۔

محترم صدر نے اپنے خطبہ صدارت میں اردو زبان کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے آندھرا کے لوگوں کو اس زبان کی حفاظت اور ترقی کی طرف توجہ دلائی۔ موصوف نے فرمایا کہ

خطبہ صدارت

آج زبان کا مسئلہ کسی ایک فرقہ یا کسی خاص جماعت کا نہیں ہے بلکہ یہ ملکی، قومی مشترکہ مسئلہ ہے۔ زبان کی تباہی پورے ملک کی تہذیب و تمدن، مذہب و کلچر اور انسانیت کی بربادی ہے قوموں کی بقا اور حیات کا انحصار ان کی زندہ زبان اور لٹریچر پر ہوتا ہے۔ مقام شکر ہے کہ آج اردو زبان اور اس کا لٹریچر دنیا کی بڑی بڑی زبانوں کے دوش بدوش کھڑا ہوا ہے، اور اس نے اتنی مختصر عمر میں جو ترقی کی ہے وہ حیرت انگیز ہے۔ اس وقت دنیا کی جس قدر متمدن قومیں ہیں ان کی تہذیب و حیات کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ ان کا لٹریچر زندہ ہے۔ تو کیا آج بھارت کے رہنے والے باشندے یہ چاہتے ہیں کہ وہ اس زبان کو ختم کر دیں جس کے مٹ جانے سے خود ان کی تہذیب کا خاتمہ بھی یقینی ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ہندوؤں نے اردو کی نشوونما میں نمایاں حصہ نہیں لیا ہے۔ شعر و ادب کا کوئی ایسا میدان نہیں ہے جو ان کی جولانگاہ نہ بنا ہو۔ انشا پردازی، نامہ نگاری، صحافت نویسی، فن تاریخ، فن معاشیات، ریاضیات، سائنس، ناول، ڈرامہ، افسانہ، شاعری، تذکرہ و تنقید عرض کہ جملہ فنون ہندوؤں کے ترشحات قلم سے بہرہ مند ہوئے اور آج اردو لٹریچر ہندو اہل نظر و قلم کا مرہون منت ہے۔ چنانچہ اب میں اس سلسلے میں کچھ ایسے حقائق پیش کرتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ ہندوؤں نے کس قدر گرمجوشی سے اردو کی خدمت کی اور ان کا اس زبان سے کتنا قدیم اور گہرا تعلق ہے۔

(۱) کسی زبان کی مقبولیت کا معیار اس کے رسائل اور اخبارات کی اشاعت بھی ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں اردو ملک کی دوسری زبان، ہندی، مرہٹی، بنگالی میں سب سے زیادہ پیش پیش رہی ہے اور ان اخبارات و رسائل کے نکالنے میں ابتدا ہی سے ہندوؤں نے بہت دلچسپی سے حصہ لیا ہے۔ چنانچہ لکھنؤ میں منشی نول کشور کے مطبع سے اودھ اخبار، اندور سے مالوہ اخبار، آگرہ سے آگرہ اخبار، بنارس سے بنارس اخبار، یہ سب وہ اخبار ہیں جو آج سے بہت پہلے ہندوؤں کی سرپرستی یا ان کی ادارت میں نکل چکے ہیں، اور آج بھی بیسویں صدی میں بیشتر وہ اخبار جن کی اشاعت ہزاروں میں ہوتی ہے۔ مثلاً تیج، ملاپ، پرتاب، ریاست، ویر بھارت وغیرہ سب ہندوؤں کی سرپرستی میں نکل رہے ہیں۔ اس کے علاوہ بے شمار رسائل اور ہفتہ وار پرچے بھی ہندوؤں کی ادارت یا نگرانی میں ہر مہینے اور ہر ہفتہ شائع ہوتے ہیں۔

(۲) اسی طرح شعر و سخن میں بھی ہندوؤں اور ان کے بزرگوں نے شروع سے حصہ لیا ہے چنانچہ کبیر داس، گرونانک، تلسی داس اور سور داس کے کلام میں اردو الفاظ کی آمیزش اور ان کے دوہوں میں اردو کے نمایاں اثرات موجود ہیں۔ اس کے علاوہ اٹھارویں صدی میں منشو لعل راے، ٹیک چند بہار، بھکاری داس، عزیز، راے مدن سنگھ دیوانہ اور انیسویں صدی میں دیا شنکر نسیم، رتن ناتھ سرشار جیسی زندہ جاوید ہستیاں پیدا ہوئیں۔ درگا سہائے سرور اور موجودہ دور میں برج موہن دتاتریہ کیفی، تلوک چند محروم، رگھوپتی سہائے فراق، کرشن چندر، احسن لکھنوی، راجندر سنگھ بیدی۔ ایسے بے شمار اردو زبان کے فنکار ہیں جن کی عظمت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

(۳) اس کے علاوہ ملک کے بلند پایہ لیڈروں کے ایسے اقوال موجود ہیں جن سے ان کی اردو دوستی اور اردو پروری کا ثبوت ملتا ہے۔

گاندھی جی ہمیشہ ملک کی مشترکہ زبان "ہندوستانی" کہتے تھے اور ہندوستانی سے ان کی کیا مراد تھی اس کی انھوں نے خود ایک مرتبہ ساتھ سمیلن میں تقریر کرتے ہوئے وضاحت کر دی تھی۔ "انھوں نے کہا تھا کہ ہندوستانی سے مراد وہ زبان ہے جو شمالی ہندوستان میں عام طور سے بولی جاتی ہے اور جسے اردو اور دیوناگری دونوں رسم الخطوں میں لکھا جا سکتا ہے۔"

سبھاش بابو نے بھی اپنے خطبہ صدارت میں یہی کہا تھا کہ:-

"ہندی اور اردو میں جو فرق بتایا جاتا ہے وہ اصلی نہیں، مصنوعی اور بناوٹی ہے۔ ہماری مشترکہ قومی زبان وہی ہے جو ملک کے ایک وسیع حصے میں بولی جاتی ہے" اور سر تیج بہادر سپرو نے ان الفاظ کو تو کوئی بھلا ہی نہیں سکتا جو انھوں نے آگرہ میں ۱۸ دسمبر ۱۹۳۹ء کو ہونے والے "یوم اردو" کے اجلاس کو خطبہ دیتے ہوئے کہے تھے کہ "اردو ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کا مشترکہ ورثہ ہے۔ اس کی پیدائش اور نشوونما میں دونوں نے برابر حصہ لیا ہے میں اس مشترکہ کو ناقابل تقسیم سمجھتا ہوں۔"

ہمارے موجودہ جمہوریت کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو بھی کہہ چکے ہیں:

"اردو زبان جس نے یو پی، دہلی میں جنم لیا ہو وہ پاکستان کے حوالے نہیں کی جا سکتی"

(۴) اس کے علاوہ ہندوؤں کا سارا مذہبی، ثقافتی، تمدنی قیمتی لٹریچر اردو میں محفوظ ہے پھر نہیں معلوم اگر آج یہ زبان ختم ہو جائے تو ان کا یہ قیمتی سرمایہ کہاں سے دستیاب ہو سکے گا۔

چنانچہ رامائن، گیتا، یجروید، شریمد بھاگوت، مہا بھارت، جپ جی صاحب، بابا نانک غرض وہ سب شہور اور اہم اور مقدس کتابیں جو مذہبی اور ثقافتی اعتبار سے ان کے یہاں ایک خاص مقام رکھتی ہیں ان سب کے مکمل ترجمے اردو میں موجود ہیں۔

سامعین کرام! یہ ہیں وہ دلیلیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو کے نشوونما میں ہندوؤں نے ابتدا سے کس قدر گرمجوشی سے حصہ لیا ہے لیکن بدقسمتی سے ان روشن حقائق کی موجودگی میں بھی آج اس محبوب عالم زبان کے گلے پر ظلم و تشدد کی چھری پھیری جا رہی ہے۔ یوپی اور بہار کی صوبائی حکومتیں اس کے ساتھ سوتیلی ماں کا سلوک کر رہی ہیں۔ عثمانیہ یونیورسٹی سے اردو کی حیثیت کو ختم کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ یونیورسٹی ہندوستان کا واحد ادارہ تھی جو ۳۰ سال سے اردو کی بے پناہ خدمت کر رہی تھی۔

لیکن اگر انڈین نیشنل کانگریس کا وہ نقشہ دیکھ لیا جائے جو اس نے

اپنے قانون کی دفعہ ۸ کے تحت ملک کی مختلف زبانوں کے متعلق شائع کیا تھا تو بخوبی واضح ہو جائے گا کہ اردو ہندوستان کی کس قدر ہمہ گیر زبان ہے۔ اس اعلان میں کانگریس نے ساتوں صوبوں کی زبان کو اردو تسلیم کر لیا ہے۔ ان صوبوں میں یوپی اور بہار کا نام بھی شامل ہے۔

ہم یہ نہیں چاہتے کہ اردو کو ملک کی مرکزی زبان ہونی چاہئے۔ اب جبکہ حکومت نے ہندی کو سرکاری زبان ہونے کا اعلان کر دیا ہے تو ہم اس کا خندہ پیشانی سے خیر مقدم کرتے ہیں بلکہ میں آپ سب حضرات کو مشورہ دوں گا کہ ہم ہندی کو سیکھیں اور کسی حال میں ہندی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ لیکن ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ جب دستور ہند میں اردو کو علاقائی زبان میں شامل کیا گیا ہے تو پھر صوبائی حکومتیں اس کے خلاف اقدامات کیوں کر رہی ہیں؟

بہرحال یہ دور اردو کے لئے ایک آزمائشی دور ہے۔ آج اردو کی کشتی حیات ایک عظیم طوفان سے ٹکرا رہی ہے۔ اور اب اردو کی موت و حیات کا مسئلہ نہ صرف ملک بلکہ یہاں کی رہنے والی تمام قوموں کی موت و حیات کا مسئلہ بن چکا ہے قبل اس کے کہ اردو کو کوئی ضرر پہنچے۔ ہمیں اس کے لئے پوری طرح تحفظ کر لینا چاہئے اردو کے بقا و تحفظ کی ذمہ داری ہم سب پر ہے اور اس کے لئے ہم جو کچھ بھی کر سکتے ہیں ہمیں کر لینا چاہئے۔ میرے نزدیک اردو کے تحفظ کے لئے حسب ذیل چیزوں پر زیادہ سے زیادہ اور بہت جلد توجہ دینی چاہئے۔

(الف) ان لوگوں کے لئے جو دن میں کاروبار میں مصروف رہتے ہیں یا وہ بچے جن کو اسکولوں میں اردو سیکھنے کا موقع نہیں دیا جاتا ان کے لئے شبینہ مدارس کھولے جائیں جن میں ایسے لڑکوں اور لڑکیوں کو اردو سیکھنے اور بولنے کی ترغیب دلائی جائے۔

(ب) زیادہ سے زیادہ اردو کتب اور ریڈنگ روم کو قیام عمل میں لایا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اردو کے لٹریچر سے مستفید ہوں۔

(ج) اردو کے اخبار و رسائل اور اس کے لٹریچر کو پڑھنے کا لوگوں میں جذبہ پیدا کیا جائے تاکہ اردو کے مطبوعات کی مانگ ہو۔

(د) اردو تحریر اور تقریر کو آسان سے آسان بنایا جائے۔

(ہ) اردو کا زیادہ سے زیادہ آسان زبان لٹریچر چھپوایا جائے اور ان کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کی جائے۔

معزز سامعین! اب آخر میں، میں آندھرا کے رہنے والے باشندوں سے دو تین ضروری باتیں کہوں گا اور وہ یہ ہیں کہ ہم سب جانتے ہیں کہ اردو کوئی غیر ملکی زبان نہیں ہے بلکہ اس نے ہندوستان ہی کی سرزمین میں جنم لیا ہے۔ اردو یہیں پلی بڑھی ہے اور آج اس علاقہ (آندھرا) کا اکثر و بیشتر حصہ اس زبان کو آسانی سے بولتا اور سمجھتا ہے۔ ہماری صوبائی حکومت بھی ابھی تک اس کی طرف شفقت کی نظر سے دیکھتی رہی ہے۔ تاہم حکومت پر مطمئن ہو کر نہیں بیٹھ جانا چاہئے بلکہ ہم اردو کے تحفظ کے لئے جو کچھ بھی سعی کر سکتے ہیں اس کو کرنے کے لئے تیار ہو جانا چاہئے تاکہ ہماری یہ پیاری زبان مستقبل کے خطرات سے محفوظ رہ سکے۔

لہٰذا ضرورت ہے کہ ہمارے آندھرا کے بھائی اردو ہی کو اپنی روزانہ بول چال میں استعمال کریں۔ اسی زبان میں روزمرہ کی خط و کتابت کی جائے۔ اور اگر ممکن ہو سکے تو تجارتی بہی کھاتے بھی اردو میں لکھے جائیں۔ تاکہ اس صوبہ میں بھی اردو کی حیثیت علاقائی زبان کی سی بن جائے۔

میں آپ کی توجہ اپنے پڑوسی صوبہ مدھیہ پردیش کی طرف منعطف کرانا چاہتا ہوں جہاں کہ اگرچہ سرکاری زبان ہندی اور مرہٹی ہو چکی ہے لیکن گذشتہ اعداد مردم شماری کے مطابق خاص شہر ناگپور میں مرہٹی کے بعد اردو ہی زبان سب سے زیادہ لوگوں کی مادری زبان ہے۔

اگرچہ اس صوبہ میں بھی اردو دیگر صوبوں کی طرح تعصب اور فرقہ واریت کی فضا پھیلی ہوئی ہے لیکن تب بھی ہندو اور مسلمانوں کا ایک بہت بڑا طبقہ ایسا ہے جو اردو کی اپنی پوزیشن کو باقی رکھنا چاہتا ہے۔ شاید آپ نے سنا ہوگا کہ گذشتہ سال ناگپور کارپوریشن نے اپنے زیر اہتمام چلنے والے اردو پرائمری مدارس کو بند کر دینے کی تجویز پاس کر دی تھی۔ لیکن ابھی ابھی وہاں کی کانگریس پارٹی کی تجویز اور مدھیہ پردیش انجمن ترقی اردو کی کوششوں سے وہ تجویز رد کر دی گئی ہے۔ اور اب کارپوریشن باقاعدہ اردو کے پرائمری مدارس کا خرچ برداشت کرتی رہے گی۔

ضرورت ہے کہ پورے ملک میں اردو سے ہمدردی رکھنے والے مل جل کر کام کریں تو پھر میں سمجھتا ہوں کہ بڑی سے بڑی رکاوٹ بھی اردو کو اپنی فطری جگہ پانے سے نہیں روک سکتی۔

حاضرین کرام! مجھے احساس ہے کہ میں آپ کا زیادہ وقت لے رہا ہوں۔ لیکن چلتے چلتے پھر آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ اردو کا مسئلہ ایک خالص ملکی اور قومی مسئلہ ہے۔ اسے کسی مذہب، فرقہ یا خاص جماعت سے تعلق نہیں ہے۔ اسے حل کرنے کے لئے بھی ہندو، مسلمان، سکھ اور عیسائی سب کو مل جل کر کام کرنا پڑے گا اور جب تک ہم لوگوں میں عملی کام کرنے کا جذبہ نہیں پیدا ہوگا اور ہم صرف زبانی ہمدردیاں ہی جتاتے رہے اس وقت تک کوئی خاطر خواہ نتیجہ نکل نہیں سکتا۔ عمل، قربانی اور استقلال جب تک یہ تینوں شریفانہ جذبے مل جل کر کام نہیں کریں گے ہم اپنی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتے۔

قراردادیں

کانفرنس میں پانچ قراردادیں منظور کی گئیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) گنٹور کے اردو ٹریننگ اسکول کو پھر جاری کیا جائے۔

(۲) سرکاری قوانین، قواعد اور اعلانات کا ترجمہ کرنے کے لئے اردو مترجم کا دفتر قائم کیا جائے۔

(۳) آندھرا یونیورسٹی میں اردو کا شعبہ قائم کیا جائے۔

(۴) اردو کے متعلق مردم شماری کے اعداد شائع کر دیئے جائیں وغیرہ۔

کانفرنس کے لئے جن اصحاب کے پیامات موصول ہوئے تھے ان کے نام حسب ذیل ہیں۔ ڈاکٹر بادشاہ کرشنن، ڈاکٹر سیتا رمیہ گورنر مدھیہ پردیش ڈاکٹر سید محمود، مولانا حفظ الرحمٰن، مسٹر رام چندر ریڈی، ڈاکٹر ذاکر حسین، قاضی عبدالغفار جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو، قاضی احمد حسین ایم پی وغیرہ۔

اس موقع پر منشی میر اعظم علی صاحب صدر انجمن ترقی اردو دینا نگر نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

معزز حضرات:۔

ہماری انجمن آل انڈیا انجمن ترقی اردو علی گڑھ کی باضابطہ اور مستند شاخ کی حیثیت سے چند ماہ ہوئے کام چلا رہی ہے۔ ہماری کوششیں اردو تعلیم ہی کے دائرے تک محدود ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ کل ہندوستان کی اردو تعلیم اور اس کا تحفظ صرف ایک ہی جماعت کے ذریعے ہو۔ ملک بھر میں اسکی شاخیں ہوں اور ایک ہی خیال، ایک ہی طریقۂ عمل سے اس زبان کی اشاعت ہو۔ بمبئی، مدھیہ پردیش اور بہار وغیرہ کی طرح ہمارے آندھرا میں مرکزی انجمن کی کوئی شاخ نہیں ہے جو اسٹیٹ بھر کے لئے کارآمد ہوسکے اس لئے ضروری ہے کہ فوراً ایک آندھرا اسٹیٹ "انجمن ترقی اردو" کی بنیاد رکھیں اور اس کمی کو پورا کریں۔ آندھرا اسٹیٹ ہند کا پہلا "لسانی صوبہ" ہونے کی وجہ سے اس اسٹیٹ کی اہم ترین اقلیت اور اس کی زبان، تہذیب اور کلچر کے تحفظ کے لئے دستورِ ہند کے مطابق ایک انجمن کا ہونا ضروری ہے۔

اس اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے آندھرا اسٹیٹ میں ہماری انجمن "وزیانگرم" کی نمائندگی پوری طور پر ہو۔ آندھرا اسٹیٹ میں اردو زبان والوں کی تعداد تقریباً ۲۰ لاکھ تک ہے اور یہ آبادی منتشر رہنے کے سبب سے اس کی زبان کی بقا و اشاعت کی کوشش صرف تعلیم ہی کے ذریعے ہوسکتی ہے۔ ابتدائی تعلیم کی حالت آندھرا کے اردو طبقے میں بہت گری ہوئی ہے، ثانوی تعلیم اور کالج کی تعلیم کا حال تو بالکل ناگفتہ بہ ہے۔

اردو کتب خانے صرف کہیں نام کو ہوں گے۔ اس لئے کانفرنس کی طرف سے فوراً ایک تعلیمی کمیٹی مقرر کی جائے تاکہ آندھرا گورنمنٹ اور لوکل باڈیز کو ترقی اردو کی طرف متوجہ کیا جائے اور آندھرا اسٹیٹ میں تلگو، تامل، اور کنڑی کتب خانے جس طرح سرسبز ہیں اسی انداز پر اردو کتب خانوں کی بنیاد رکھی جائے جو صرف انجمن ترقی اردو کا فرض ہے۔

حضرات:۔ آپ سب کو معلوم ہی ہے کہ ہماری گورنمنٹ کی تعلیم کا بجٹ دو کروڑ پینتیس لاکھ سے متجاوز ہے ایسی صورت میں اردو بولنے والے جو آندھرا کی آبادی کا ۱۰ فیصد ہیں اردو تعلیم پر ۲۳ لاکھ روپے خرچ کرنے کے لئے گورنمنٹ سے درخواست کرسکتے ہیں تاکہ ہماری ایلیمنٹری، سکنڈری اور یونیورسٹی تعلیم کی اردو لسانی ضروریات پورے ہوں۔

۱ آندھرا میں اردو پریس کی حالت سے سامعین واقف ہی ہونگے آندھرا کی تاریخ میں صرف ۲ ماہناموں کا اجرا عمل میں آیا، ایک ماہنامہ "آفاق" نندیال دوسرا "المخدوم" نندپور وغیرہ مگر دونوں رسالے ہماری کم توجہی اور غفلت کی وجہ سے ختم ہوگئے۔ اس طرح آندھرا کی صحافت کو ابتدا ہی میں حرف غلط کی طرح مٹ جانا پڑا۔ اہل آندھرا کی یہی روش رہی تو ہمارا ادبی نظم "ترویج اردو" غیر مستحکم ثابت ہوگا۔ اردو کی ترقی کے لئے اردو صحافت کو بڑا دخل ہے۔ میں گزارش کرتا ہوں کہ اردو دوست حضرات آندھرا کے اردو صحافیوں کی حوصلہ افزائی فرمائیں۔

آندھرا میں (رائل سیما) اضلاع مفوضہ کے پانچ ضلعوں میں اردو بولنے والوں کی کثیر تعداد موجود ہے۔ تعلیم کے انتظام کے لئے کچھ الگ حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ اضلاع مفوضہ (رائل سیما) کے کالجوں کا تعلق ابھی مدراس یونیورسٹی سے ہے نہ کہ آندھرا یونیورسٹی سے۔ اضلاع مفوضہ لسانی حیثیت سے ایک ایسا علاقہ ہے جہاں تلگو کے علاوہ دوسری بولیاں بولنے والوں کی تعداد کم و بیش ۵۰ فیصد ہوں گے۔ اضلاع مفوضہ میں جو آندھرا کی ۳/۱ آبادی ہے آندھرا کے اردو بولنے والوں کے ۳/۲ نفوس بستے ہیں۔ لاکھوں کی تعداد میں وہ لوگ بستے ہیں جن کی مادری زبان تامل اور کنڑی وغیرہ ہے، اس لئے موجودہ صورت حال ہی اضلاع مفوضہ کے کالجوں کے لئے مناسب ہے کیونکہ مدراس یونیورسٹی میں تامل اور اردو وغیرہ کا جو انتظام ہے آندھرا یونیورسٹی میں نہیں۔ اگر اس معاملے پر آندھرا یونیورسٹی اور گورنمنٹ جلد متوجہ نہ ہوں تو رائل سیما (اضلاع مفوضہ) کے پانچ ضلعوں کے لئے کرنول میں ایک الگ یونیورسٹی کا ہونا نامناسب نہ ہوگا۔ تاکہ آندھرا کی لسانی اقلیتوں کی ضروریات کچھ نہ کچھ پوری ہوتی رہیں۔

آندھرا میں اردو بولنے والوں کی آبادی چاروں طرف منتشر رہنے کے سبب سے ان کی تعلیم کا انتظام ابتدائی اور ثانوی درجوں تک نہایت اہم ہے۔ بچے کو اپنی مادری زبان میں جب تک تعلیم نہ دی جائے اُس کے خیالات ابھر نہیں سکتے۔ آندھرا کی اردو آبادی اس بات کو اچھی طرح محسوس کر رہی ہے کہ اپنے اسٹیٹ کی علاقائی زبان تلگو کے ساتھ ساتھ اپنی مادری زبان اردو بھی اسٹیٹ کی ایک زبان ہے۔ آندھرا گورنمنٹ اور آندھرا اسٹیٹ کا غیر اردو طبقہ اس حقیقت کو محسوس کرے کہ اردو کو تلگو کے ساتھ ساتھ ایک آندھرا کی زبان کی حیثیت سے قانونی طور پر تسلیم کرے۔ قانوناً ایک اسٹیٹ کی کئی زبانیں ہوسکتی ہیں۔

حال ہی میں آندھرا کیبنٹ میں یہ طے پایا ہے کہ آندھرا میں ایلیمنٹری تعلیم کے انتظام کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی جائے تاکہ وہ اس پر غور کرے۔ اس کمیٹی میں آندھرا کے لسانی اقلیتوں کے نمائندے عموماً اور اردو والوں کے نمائندے خصوصاً ہونے چاہئیں، تاکہ اردو ایلیمنٹری تعلیم کا انتظام جو کہ ایک اہم مسئلہ بن چکا ہے خوبی سے حل ہوسکے۔ اردو ایلیمنٹری تعلیم کے لئے آندھرا ایلیمنٹری بجٹ کا کم از کم ۱/۱۰ دسواں حصہ تجویز یا خرچ ہو۔

انجمن ترقی اردو وزیانگرم کی درخواست یہ ہے کہ آندھرا گورنمنٹ اور مرکزی گورنمنٹ تلگو کے ساتھ ساتھ اردو کو ایک اسٹیٹ لینگویج تسلیم کرے اور ریلوے سائن بورڈوں پر اسٹیشنوں کے نام اردو میں بھی درج کرے جو آندھرا کے شہریوں کی اہم ترین زبان ہے۔

معزز بھائیو! میں ان مذکورہ مطالبات کو اپنی انجمن ترقی اردو وزیانگرم کی طرف سے آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں اور آپکی ہمدردی اور حق شناسی کا ثبوت چاہتا ہوں۔

(اس کانفرنس کے متعلق بعض مکتوبات اور اخباری بیانات ہمیں موصول ہوئے ہیں جنکو ہم (اگر ضرورت ہوئی تو) آئندہ اشاعت میں شائع کرسکیں گے

—— ہماری زبان)

انجمن کی خبریں

علی گڑھ

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ این۔ آر۔ سی کلب اے کے جوشیلے سکریٹری وسیم الدین احمد زبیری صاحب مطلع فرماتے ہیں کہ:-

ممبران کلب میں اردو کی ترقی کا صالح جذبہ روز بروز بڑھتا جا رہا ہے جس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے۔ جب بھی کسی اردو کے کسی جلسے کا اعلان ہوتا ہے تو اس میں طلبا زیادہ سے زیادہ حصہ لیتے ہیں۔ چنانچہ ۶ فروری ۵۴ء کی شب میں جو تقریری مقابلہ ہوا اس میں حسب ذیل طلبا نے شرکت کی۔

ریاض الرحمن۔ شاہد حسین آزاد۔ اقتدار حسین فاروقی۔ حسن مہدی رضوی۔ عبدالمالک۔ محمد عزیز۔ انور علی بیگ۔ رشید الظفر۔ انیس شیروانی۔ صدیق الرحمن قدوائی۔

بحث کا عنوان تھا "قوموں کی زندگی میں شاعروں سے زیادہ مقرروں کا مقام ہے" جلسے کی صدارت قمر رئیس رضوی صاحب مددگار جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند نے کی اور انعامات کا اعلان کرتے ہوئے فن تقریر کی شرافت اور مقرر کے اہم ترین فرائض پر اظہار خیال فرمایا۔ آپ نے "ان من البیان لسحرا" کی وضاحت فرمائی اور خطیب کے مقام بلند کی طرف اشارہ کیا۔ تقریر جاری رکھتے ہوئے آپ نے اردو زبان کی خدمت اس کی ترویج اور اشاعت کے سلسلے میں بھی طلبا سے اپیل کی اور فرمایا کہ اردو زبان اور اس کے ادب کو آپ ہی جیسے نوجوانوں سے امیدیں ہیں۔ آپ یہاں بننے کے لئے آئے ہیں۔ آپ کی تہذیب معاشرت اور زبان کے معیار کو بلند اور معیاری ہونا چاہئے۔ ملک اور قوم کو آپ کی ذات سے جو توقعات ہیں وہ پوری نہ ہوں گی تو سمجھا جائے گا کہ آپ نے اپنے وقت کا صحیح مصرف نہیں سمجھا۔"

جن طلبا کو انعامات دیئے گئے ان کے نام یہ ہیں۔

اقتدار حسین فاروقی	اول
انیس شیروانی	دوئم
رشید الظفر	سوئم

آئندہ جلسہ ۲۰ فروری کو ہوگا جس کی صدارت ہماری درخواست پر قاضی محمد عبدالغفار صاحب جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند) نے قبول فرمائی ہے آپکے خطبہ کا عنوان ہے

"اردو کی خدمت آپ کس طرح کریں"

امید ہے کہ طلبا زیادہ سے زیادہ شریک ہوں گے اور کلب کے اس جلسے کو ایک یادگار جلسہ بنائیں گے۔

امروہہ

امروہہ میں ایک شاندار مباحثہ اعلان عام کے مطابق بابو کیلاش چندر صاحب رئیس امروہہ کے مکان پر مقامی انجمن ترقی اردو کی جانب سے عالی جناب مہیش چندر صاحب گوئل نائب صدر انجمن کی صدارت میں ہوا جس کا موضوع تھا:-

"لسانی بنیاد پر میرٹھ، آگرہ، روہیلکھنڈ کے اضلاع کا صوبہ دہلی سے الحاق زیادہ مفید ہے"

انجمن کے گذشتہ پندرہ روزہ ادبی اجتماع کی کاروائی مستدق ہونے کے بعد حاضرین کے مطالبے پر لسانی بنیاد کی قید بڑھا دی گئی تاکہ الحاق کے دوسرے افادی پہلو بھی زیر بحث آسکیں۔

حکیم آفتاب احمد خاں صاحب حامی محرک اور سید انور حسن صاحب مخالف اول کے علاوہ سید مسعود حسن صاحب وکیل، لالہ رام سروپ داس صاحب جناب تاباں نقوی مدیر نوائے ہند سید تحی حسن صاحب بی۔ اے۔ کاظم علی خاں صاحب اسپیشل مجسٹریٹ نے موضوع کی موافقت میں اور سوہن لال صاحب کرشناتری۔ سید طالب حسین صاحب اور نواب ذی شان صاحب نے مخالفت میں حصہ لیا۔ تین گھنٹے کی طویل بحث میں فاضل مقررین نے مسئلہ کے تمام موافق اور مخالف پہلو سامعین کے سامنے پیش کئے اور اختتام پر رائے شماری میں حاضرین نے کثرت آراء سے موضوع کی موافقت میں فیصلہ دیا۔ اس طرح انجمن کا یہ کامیاب اجتماع مہیش چندر صاحب گوئل کی جانب سے حاضرین کی چائے سگریٹ سے تواضع پر ختم ہوا۔

بیگم صاحبہ سید معراج الحسن صاحب نقوی نگراں انتخاب کی رپورٹ کے مطابق مقامی انجمن کے شعبۂ خواتین کا انتخابی جلسہ الحاج محمد محبوب احمد صاحب عباسی قاضی شہر کے مکان پر ہوا۔ انجمن کی ممبر خواتین امید سے زیادہ تعداد میں شریک ہوئیں۔ کاروائی شروع ہونے پر بیگم صاحبہ سید مسعود حسن صاحب وکیل نے محسنہ خاتون صاحبہ کی تائید سے بیگم صاحبہ حافظ عبدالقیوم کا نام اور بیگم صاحبہ محمد احسان حسین صاحب نے رابعہ بیگم صاحبہ بی۔ اے۔ بی۔ ٹی کی تائید کے ساتھ صالحہ بیگم صاحبہ صدیقی اعلیٰ قابل کا نام صدارت کے لئے پیش کیا۔ بیگم صاحبہ حافظ عبدالقیوم نے اپنا نام واپس لے لیا اس لئے صالحہ بیگم صاحبہ بلا مقابلہ شعبہ کی صدر منتخب ہوئیں۔ سکریٹری شپ کے لئے صرف محترمہ فخر النساء کا نام پیش ہوا۔ اس لئے وہ بلا مقابلہ سکریٹری منتخب ہوئیں۔ انتخابات کے بعد صالحہ بیگم صاحبہ صدر منتخب نے حسب ذیل خواتین پر مشتمل اپنی مجلس عاملہ کا اعلان فرمایا:-

(۱) بلقیس نظر صاحبہ (۲) اختری بیگم صاحبہ (۳) محترمہ مقبول فاطمہ۔ (۴) بیگم صاحبہ قمر الحسن صاحب جعفری (۵) بیگم صاحبہ سید معراج الحسن صاحب نقوی (۶) بیگم صاحبہ حکیم سید آل محمد صاحب

پبلشرز:- قاضی محمد عبدالغفار مرکزی دفتر انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ
پرنٹرز:- نیشنل پرنٹنگ ورکس علی گڑھ